اعلیٰ تعلیم اور استعمار

متقین الرحمٰن

ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی جامعات کہنے کو تو مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ممالک میں واقع ہیں، لیکن یہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات یورپ کی مرکزیت کے تصور پر مبنی ترتیب دیا گیا نصاب پڑھنے پر مجبور ہیں۔ ان جامعات سے جو علمی کام سامنے آتا ہے وہ زیادہ تر مقامی حالات اور مقامی ضروریات سے اعراض کرتا ہے۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اعلیٰ تعلیم و تحقیق پیش کرنے والے اہلِ علم اپنے مقالات کی بین الاقوامی ''موقر جرائد'' میں اشاعت کی مجبوری (یہ مصنوعی مجبوری کہ اس کے بغیر ان کی تحقیق کو معیاری نہیں سمجھا جائے گا) کے تحت اُن موضوعات اور ان مسائل و اُمور پر توجہ مبذول کرتے ہیں جو اِن ''موقر'' جرائد کی دلچسپی کے موضوعات ہیں۔ اور یہ جرائد اور ادارے جس قسم کا حاصلِ تحقیق چاہتے ہیں، ویسا ہی تیار کیا جائے تب ہی دادِ تحقیق ملتی ہے ورنہ نہیں!

عالمگیریت کے نام سے ایک ایسی فضا بنا دی گئی ہے جس میں ''عالمی برادری'' (امریکہ اور اس کے حاشیہ نشین چند ممالک) اپنے غلبہ اور مارکیٹ اکانومی کے مفادات کے لحاظ سے جسے بہتر سمجھے وہی خیال، نظریہ اور تحقیق آگے بڑھتی ہے اور جو اس کے برعکس ہو وہ عملاً اجنبی، غیر متعلق اور مسترد قرار دے دی جاتی ہے۔ یونیسکو کی ''ورلڈ سوشل سائنس رپورٹ 2010ء'' سامنے آئی تو اس نے یہ انکشاف کیا کہ سوشل سائنس میں یورپ اور امریکہ سے باہر تحقیقی کام برائے نام ہی ہوا ہے اور اس کا اندازہ تحقیقی

حوالہ جات کی گنتی کی بنیاد پر کیا گیا۔

امریکہ اور یورپ سے باہر عمومی طور پر یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ:

- ہماری جامعات مغربی افکار و تہذیب کی پرورش گاہیں بن چکی ہیں (نصاب اور ماحول کے ذریعے)۔ یہ مغرب کی ذہنی غلامی کو فروغ دینے کا ذریعہ ہیں۔ یہ ایک خاص اشرافیہ طبقہ میں شمولیت کا دروازہ بھی ہیں۔ وہ اشرافیہ طبقہ جو اب بھی اپنے سابقہ نو آبادیاتی آقاؤں کی غلامی کا دم بھرتا ہے اور ان کی سرپرستی میں دولت اور طاقت حاصل کرتا ہے۔
- اعلیٰ تعلیم کو اعلیٰ انسانی مقاصد سے وابستہ کرنے کے بجائے، مارکیٹ اکانومی سے وابستہ کر دیا گیا ہے، چنانچہ حصولِ علم ایک کمرشل اور تجارتی سرگرمی بن کر رہ گئی ہے۔
- حصولِ تعلیم ایک مہنگا عمل بنا دیا گیا ہے۔ تعلیم کو سرمایہ کاری کا نام دے کر تعلیم یافتہ فرد کو رقم کمانے کی فکر میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ اس کے ذہن سے اجتماعی بھلائی کا تصور محو ہو گیا ہے۔
- علم اور تعلیم کو فروغ دینے کے بجائے، اس پر اجارہ داری قائم رکھنے اور نفع کمانے کے نئے نئے طریقے اختیار کر لیے گئے ہیں۔ ان میں حقوقِ دانش (کاپی رائٹ) کا تصور اور نئی تحقیقات کو مخصوص جرائد تک محدود کرنا، قابلِ ذکر ہے۔
- جو تحقیق انگریزی یا کسی یورپی زبان میں منتقل نہ ہو اسے بالکل ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

احساسات کے ان عناصر کے ساتھ ملائیشیا میں جون ۲۰۱۱ء میں ملٹی ورسٹی اور سٹیزنز انٹرنیشنل (Citizens International) نے ایک کانفرنس کا اہتمام کیا جس کا عنوان تھا ''اپنی جامعات کو استعماریت سے پاک کرنا'' (Decolonising our Universities)۔ یہ کانفرنس ملائیشیا کی بڑی جامعات میں سے ایک یعنی سائنس یونیورسٹی کے اشتراک اور ملائیشیا کی وزارت برائے اعلیٰ تعلیم کے ایک ادارے ہائر ایجوکیشن لیڈرشپ اکیڈمی کے تعاون کے ساتھ منعقد ہوئی۔ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے وسیع النظر اہلِ علم و دانش تین روز تک اکٹھے بیٹھے اور اعلیٰ تعلیم میں استعماریت کے

اثرات کے جائزے اور ان اثرات کے ازالے کے لیے متبادل طریقوں پر گفتگو کی۔ ساتھ ہی ان تجربات پر بھی گفتگو ہوئی جو دنیا کی مختلف جامعات میں پہلے ہی زیرِ عمل ہیں اور جواب زیادہ واضح ہدف یعنی ''اپنی اعلیٰ تعلیم کو استعماریت سے پاک کرنا'' کے تصور کے تحت آگے بڑھائے جارہے ہیں۔

ملائیشیا کے ایک میگزین تھرڈ ورلڈ ریسرجینس (Third World Resurgence) نے اکتوبر/نومبر ۲۰۱۲ء کے شمارے میں اس کانفرنس میں پیش کیے گئے چند مقالات یا ان کا خلاصہ شائع کیا ہے۔ عمرانی علوم کی تدریس کے خصوصی حوالے سے یہ منتخب مضامین اس قابل ہیں کہ یہ اردو دان اہلِ علم تک بھی پہنچیں اور مزید غور وفکر اور اپنے اپنے دائرۂ عمل میں مزید عملی اقدامات کی بنیاد بنیں۔ ان مضامین کا آزاد ترجمہ اس شمارے میں پیش کیا جارہا ہے۔ انگریزی میں یہ مضامین اس میگزین کی ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔ آخری مضمون موضوع کی مناسبت سے یہاں شامل کیا گیا ہے جو مروجہ نظامِ تعلیم پر مسلم زاویۂ نظر پیش کرتا ہے۔ یہ اس کانفرنس میں پیش نہیں ہوا تھا۔

ان مضامین میں سے اکثر میں صرف عمرانی علوم کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے تاہم کہیں کہیں خالص سائنسی علوم کا حوالہ بھی آیا ہے اور ایک مضمون (کیا سائنس صرف مغربی ہے؟) میں خاص سائنسی ترقی کی تاریخ کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔

ان مضامین سے یہ احساس ابھرتا ہے کہ دنیا میں تنوع ایک مفید عمل ہے اور یہ عمل اعلیٰ تعلیم کے میدان میں بھی موجود رہنا چاہیے۔ ہر ملک اور ہر خطہ اپنے نظریات اور اپنی قومی ضروریات کے مطابق اعلیٰ تعلیم کی تشکیل و تنظیم کے لیے آزادانہ غور وفکر کرے اور اپنا لائحۂ عمل خود بنائے۔ انسانی تجربات کی عمدہ مثالوں کو ضرور باہم اپنایا جائے، تاہم کسی ایک ہی طرزِ فکر وعمل کو معیار قرار دے کر دوسروں پر مسلط کرنے سے احتراز کیا جائے۔ یہ پیغام ہی اس کاوش کا حاصل ہے۔